بلوچستان میں فارسی کا نامور شاعر
غالب کا ہم عصر مرزا گل محمد مکرانی

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

پاکستان میں بلوچستان ہی وہ خطہ ہے جہاں فارسی ادب کا نقطہ آغاز ہوا۔ فارسی زبان کی پہلی شاعرہ رابعہ بنت کعب، قزدار یا موجودہ خضدار کی رہنے والی تھی۔ البتہ رابعہ کے بعد یہاں ایک طویل عرصے تک شعر و ادب کے فروغ کا سلسلہ رک گیا۔ مگر فارسی زبان و ادب کے اثرات مقامی زبان اور ان کے ادب پر نمایاں رہے۔

مرزا گل محمد ناطق مکران میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہوتا فقط اتنا پتہ چلتا ہے کہ ناطق نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مکران ہی میں گزارا۔ انہوں نے اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے حصے میں اپنی خداداد قابلیت کے جو ہر دکھائے۔

اپنے وطن میں قدر نہ پا کر ناطق نے سندھ کا رُخ کیا اور میر صوبیدار خان تالپور کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ میر صاحب نے اُسے دلخوش تخلص عطا کیا۔ اس سے پہلے اپنا نام ہی بطور تخلص استعمال کرتے تھے۔

سندھ میں اس نے حیدر آباد کے ایک نوائی قصبے مٹاری اور اس کے باشندوں کا ایک شعر میں یوں خاکہ اُڑایا۔

آبرو گر طلبی آب مٹاری مطلب
لقمہ چرب بجز نان جواری مطلب

اگر عزت چاہئے تو مٹاری کا پانی مت طلب کرو۔ اور یہاں نان جویں کے سوا لقمہ تر مت طلب کرو!

مٹاری کے ایک عالم مخدوم عبدالغفور نے فوراً اس کی تردید کر دی۔

آبرو گر طلبی آب مٹاری بطلب
لقمہ چرب مجو نان جواری بطلب

اگر عزت چاہتے ہو تو مٹاری کا پانی طلب کر و لقمہ تر نہ ڈھونڈو، نان جویں طلب کرو۔

مخدوم محمد ابراہیم خلیل نے دلخوش کے بارے میں لکھا ہے۔ میر صوبیدار خان تالپور نے دلخوش کا روزینہ بھی مقرر کیا لیکن عالی ہمت ہونے کے باعث اسے ضمیر نے اجازت نہ دی۔ اور اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ وہاں ناطق تخلص اپنایا اور بلند مقام پایا۔

ناطق نے ہندوستانی شہزادوں جن کی فیاضیوں کے چرچے عام تھے کے درباروں میں قسمت آزمائی کا سوچا۔

کچھ عرصہ دربار بہ دربار چکر لگاتا رہا اور بالآخر واجد علی شاہ کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ شمع انجمن کے مصنف سیّد محمد صادق حسن اسے ہم عصر ہندوستان کا عظیم قدیم شاعر گردانتا ہے۔

لکھنو ہی سے ناطق نے مرزا غالب کو خط لکھا جس میں اپنی زندگی کے حادثات اور آفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ رئیسوں اور امیرزادوں کی اس بے حسی اور مردہ دلی کا شکوہ کیا ہے جو وہ فن کاروں اور اہل علم حضرات سے رواں رکھتے ہیں۔ پھر اسی خط میں غالب کے ایک شعر پر اظہار خیال فرمائے۔ مرزا غالب نے اپنی مثنوی درد و داغ میں ایک دلچسپ کہانی بیان کی ہے کسی ایک عورت کی دعا قبول ہوئی کہ پھر سے جوان ہوئے۔ جوان ہوتے ہی اس کے تیور بدل گئے اور اس نے اپنے شوہر دھتکار دیا۔ چنانچے شوہر نے اس کی بے وفائی سے آزردہ ہو کر بد دعا کی، اور وہ سورنی بن گئی۔ مرزا غالب کہتے ہیں۔

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد
با سر و رُو عربدہ آغاز کرد

ناطق اپنے میں خط لکھتے ہیں

رقعہ بہ اسد اللہ خان غالب دہلوی عرف مرزا نوشہ

ای آنکہ برینامہ من رو بقفا کن
صد قافلہ اشک بہ بین برا ثر خود

چون شرح اشتیاق ملاقات انجناب کرامت انتساب نہ بمثابہ ایست کہ درحیز تحریر گنجائی پذیرد ناگزیر بگزارش برخی از سوانح سیاحت اینصوب سامع خراش میگردد کما بیش دہ سال میگذرد کہ زمین گیر انید یار میباشم اما طرفگیہا ئیکہ از وضع این دیاریان دیدہ ام ہیچ کافرنہ بنیاد از خواص و عام این مخلوق کمتر کسی بودہ باشد کہ نسبت تعارف اسمی یا جسمی با من درست نہ کردہ باشد بلکہ از بدایت ورود تا حال بزعم خود ہا از جرگ اساتذہ مسلم الثبوتم نہادہ اند کج مج کہ گاہ گاہ نوک ریز قلم نامربوط رقم میگردد بصد ابرام از من ربودہ بدستانہا می سرایندون یز ہیچ نوا بے و تابے درین سرکار بر سرکار نیامدہ کہ سلسلہ جنبانی ناخن بندی و سپاس دستایشم بفضل و کمالیکہ ندارم بحضور بادشاہ وقت کو ذکر دہ باشد ولین با این ہمہ آشی کہ در دہلی بکاسہ داشتم دارم چند ماہ پیش ازیں منشی الملوک بمشاورت ارکان دولت ابد مدت عرضداشتی متضمن تقرر مشاہیرہ من از نظر اقدس ظل الٰہی گذرانیدہ درعرض تربیتم زبان جسارت بمبالغہ تمام مطلق نمودہ بودند و ہم واقفان حاشیہ بساط فیض مناط دران فصل منجر بالخیر نمکنان مرو یرا بوجہ وجیہ موافقت و معاونت نمودند حضرت بعد اصنعای معروضات تحریری و تقریری برائے تجویز و اجرای رابترام ناصیہ عرضداشت رابنام سعید الدولہ خطابی کہ دران تاریخ بواسطہ مطایبہ ناگفتنی بلند پایگی یافتہ ہمگی رتق و فتق و ضبط و ربط مہمات ملکی و مالی بپای خود گرفتہ بود و گوس انا و لا غیری میکوفت بحکم ناطق تزئین واضح فرمودندان خدا گیر با وصف سوابق مواجہت وسوانف موانست تحریک خباثت جبلی طریق تغافل درنوردید تا رسید بجای کہ رسید

آرے

بس تجربہ کردیم دراین دیر مکافات
با درد کشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

وباز درین روزہا پیشنہاد خاطر اراکین دولت آنست کہ عرضداشتی دیگر متضمن مضمون سابق از پیش گاہ نگاہ اقدس واعلیٰ گذرانیدہ آید و مصلحت دید من اینکہ دیدہ خام طمعی بیکبارگی ازین باغہائے سبز بر بستہ در پایان خزان پشہپر توفیق ازین آشوب کدہ پرواز گرفتہ دران گل زمین بہار آگین نفسی راست نمایم و چندی دیدہ دل را بدیدار و گفتار آن دوست نور و سرور افزودہ از انجا بشہر خود روم و شہریار خود باشم۔

چہ برگذارم کہ شوق استسعاد ملازمت آن مجمع محاسن صوری و معنوی چہ مایہ پیرامون گرد دل ارادت منزلست و تغافلی کہ درین چند سال بکاشتن نیاز نامہ ہا بکار بردہ ام جز این علتی نداشتہ کہ درعرض دو سہ سال مسودہ دیوان بلاغت بنیان خود را کرۃ بعد اولے و مرۃ بعد اخرے نامزد من فرمودہ بودند و منہم از سادگی دلبقول شا نہادہ نقلش برنداشتم عاقبت کار ہنگام گیل چون لب بتقاضائے آن کشودم بلطائف الحیل پیچیدہ چند عذری لنگ برفتار آوردہ پای ایفائے وعدہ در مقام خلف افشردند و دست عطا در آستین مضائقہ کشیدند بواہمہ انکہ این حریف جہان پیما است چون با لکہ دیگر تازد چہ عجب کہ غالبؔ را از دیوان برخیزاند و ناطق را بجائیش نشاید ہیہات، ہیہات

ع:۔ من چنان تان چنیں دریغ دریغ

حالیا تلافی انتساب بدگمانی کہ بذات من خیر سگال شدہ بود منحصر درین فرد فشاندۂ کام و زبان مبارک است بدستیاری چاپار ہر ہمہ برمن فرستادہ اید تا من آنرا ہم ہیکل جان با نیاز نمایم و ہم برسخن آشنایان این مرز بوم باز نمایم و نیز شخصے کہ صاحب چھاپہ خانہ مشہور این شہر است و با این بلا گردان پر محشور و مربوط انگشت ترغیب بر پہلویش زدہ ام اغلب کہ کلیات را مجز درسیدن بطبع رساند تکلف برطرف از گرد آمدن نتائج طبع مطبوع مخلص پناہی مرا بسر حدی انجامیدہ کہ می گویم بار خدایا ہمیلہ کتب کلیات خود بمن فرستد بہ پیمان موکد ایمان ترک سخن گوید تا دلم شکنجہ کش دغدغہ این مستی نشود کہ شاید من بعد تختی تازہ سرایدوان برمن نرسد و درین مثنوی درد و داغ کہ:

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد
با سر رد عربدہ آغاز کرد

کاتب لفظی بصورت پنجہ بقلم دادہ است آیا این چہ لفظ است چہ اگر فی نفس الامر پنجہ باشد پس خوک سم دارد نہ پنجہ و اگر مجالست خطی با پنجہ دارد یا آنکہ نزد شعرا اطلاق سم و پنجہ بہ محل ہمدیگر جائز الاستعمال است پس اعلام باید فرمود تا پی بحقیقت آن بردہ

باشم اللہ تعالیٰ عمر بلند نصیب کناد۔

''رقعہ بنام اسد اللہ خان غالب دہلوی عرف مرزا نوشہ

(اے میرے نامہ بر! ذرا پیچھے مڑ کر دیکھ تیرے جلوس میں رشک کے سینکڑوں قافلے چلے آ رہے ہیں)

چونکہ انجناب کرامت انتساب سے شوق ملاقات اتنا زیادہ ہے کہ احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتا لہٰذا اپنی سوانح سیاحت کا کچھ حصہ گوش گذار کرتا ہوں۔ کم و بیش دس سال اس دیار میں ہونے کو آئے اور اہل دیار میں ایسی ایسی بوالعجبیاں دیکھیں کہ خدا کافر کو بھی نہ دکھائے! ان لوگوں کے خواص و عام سے شاید ہی کوئی کمتر ہوگا کہ میرے نام کی نسبت یا ذاتی تعارف کی بدولت میرا دوست نہ بنا ہو بلکہ انہوں نے میری آمد سے لے کر تا حال مجھے مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ کج مج جو کچھ بھی گا ہے گاہے میرے نوک قلم سے ٹپکتا ہے وہ بہ صد اصرار یہ لوگ لے جاتے ہیں اور اسے گاتے ہیں اور نیز اس سرکار میں کوئی ایسا نواب یا نائب نہیں جس نے اپنی حضوری کے دوران میری عقدہ کشائی کی امید نہ باندھی ہو یا میرے فضل و کمال کے بے بجا شکریہ د توصیف سے مجھے شرمندہ نہ کیا ہو لیکن بایں ہمہ میرے کاسہ میں جتنا آش جو دہلی میں تھا اتنا ہی آج بھی ہے۔ چند ماہ پیشتر ایک عرضداشت منشی الملوک کی توسط سے بحضور ظل الٰہی گذاری تھی اور ارکان دولت نے ابھی اس کی تائید و تصدیق کر دی تھی۔ حضرت ظل الٰہی نے بہ کمال شفقت میرے راتبہ کا تحریری و تقریری حکم سعید الدولہ کو بھیج دیا جن کا ستارہ اس وقت عروج پر تھا ار جو مدار المہام بنا ہوا تھا اور

ہیچو ما دیگرے نیست کے مصداق

جدھر دیکھتا ہوں ادھر میں ہی میں ہوں کا نقارہ بجا رہا تھا۔ اس نے اپنی جبلی خباثت کے تحت ایسا تغافل برتا کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی:

(اس دار المکافات میں ہم نے بہت سے تجربے کیے لیکن مصیبت زدوں پر افتاد بر افتاد ہی پڑتی رہی)

ان دنوں پھر اراکین دولت اسی مضمون کی عرض داشت بادشاہ سلامت کے حضور میں گذارنا چاہتے ہیں لیکن میں مصلحت اسی میں دیکھتا ہوں کہ ان باغہائے سبز سے اپنی دیدہ طمع بند کروں اور اواخر خزاں میں اس آشوب کدے سے نکل کر اس گل زمین بہار آگیں میں چلا جاؤں اور کچھ وقت اس دوست کے دیدار و گفتار سے اپنے دیدہ و دل کو نور و سرور بڑھاؤں۔

بہ شہر خود روم و شہریار خود باشم

کیا عرض کروں کہ آپ کی سیرت و صورت کی دیدہ و زیارت کا شوق میری ارادت مندی کی منزل بنا ہوا ہے اور چند سال نیاز نامہ لکھنے میں جو تغافل و تساہل ہوا اس کا سبب اس کے سوا اور نہ تھا کہ دو تین سال مسودہ دیوان بلاغت، بر شب و روز مصروف رہا اور اول تا آخر اس کی نوک پلک دیکھتا رہا۔ میں بقول آپ کے سادہ دل تو ہوں۔ اس کی کوئی نقل اپنے پاس نہ رکھی اور مسودہ اٹھا کر انہیں دے دیا۔ بالآخر جب تقاضا کے لئے لب کشائی کی تو خوشنما بہانوں سے مجھے ٹالتے رہے اور میرے ہاتھ کچھ نہ آیا اس

خیال سے کہ یہ حریف جہاندیدہ ہے۔ کیا عجب کہ غالب کو دیوان سے اٹھا کر ناطق کو بٹھا دے۔

افسوس افسوس:

من چناں تاں چنیں دریغ دریغ

اب میری ذات سے جو بدگمانی آپ کو ہوئی اس کی تلافی یوں کرتا ہوں کہ جو نظم و نثر آپ کی طرف سے مبارک زبان کو کام سے ہو کر پہنچتی ہے میں اسے حرز جاں بناتے ہوئے اس علاقہ کے سخنوروں کو سناتا ہوں اور ایک صاحب جو اس شہر کے مطبع مشہور کے مالک ہیں ان کو ترغیب دے رہا ہوں کہ کلیات کے پہنچتے ہی انہیں چھاپ دیا جائے۔ تکلف برطرف میں آپ کے زادگان فکر کا اتنا والہ وشیدا ہوں کہ سوچتا ہوں کہ اے خدا! جوں ہی غالب اپنی کلیات مجھے بھیجیں تو وہ سخنوری ترک کر دیں تا کہ میرا دل اس شکنجہ خوف سے رہا ہو کہ وہ میرے بعد جو شعر کہیں وہ مجھ تک نہ پہنچ سکیں اور یوں میں تشنہ و محروم رہ جاؤں اور اس مثنوی در دوداغ، میں ہے کہ

خوک شد و پنجہ زدن سا ز کرد

با سرور و عربدہ آغاز کرد

اس میں پنجہ لکھا گیا ہے یہ کیا لفظ ہے؟ کیا خوک، واقعی پنجہ رکھتا ہے یا شعرا کے نزدیک پنجہ اور سم ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں۔ مطلع فرمائیے تا کہ حقیقت تک رسائی ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر بلند عطا فرمائے!

ناطق

غالب کی سلیم فطرت اور حق پرستی کی داد دینی چاہیے انہوں نے اس تبصرہ کی معقولیت کو محسوس کیا اور پہلا مصرہ ایسا بدل دیا۔

خوک شد و بد نفسی ساز کرد

جواب میں غالب نے ناطق کو خط لکھا جو پنج آہنگ میں چھاپا۔ مولانا غلام رسول مہر اپنے ایک خط میں راقم الحروف کے نام لکھتے ہیں۔ ''غالب کا صرف یہی خط ناطق کے نام ''پنج آہنگ'' میں چھپا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ ان کے درمیان بے تکلف دوستانہ روابط تھے۔ ایسا نہ ہوتا کہ ناطق کو یوں انتباہ کا خیال نہ آتا نہ مرزا غالب اس طرح جواب دیتے، اغلب ہے دہلی یا لکھنؤ میں دونوں کے درمیان ملاقاتیں بھی ہوئی ہوں۔ لکھنؤ کی ملاقات اس صورت میں ممکن ہوگی کہ ناطق ۱۸۲۷ء سے پیشتر لکھنؤ پہنچ گئے ہوں اور دہلی کی ملاقات زیادہ یقینی اس لئے ہے کہ ناطق لکھنؤ جاتے ہوئے دہلی میں ضرور ٹھہرے ہوں گے، اور کسی فارسی گو شاعر کا دہلی سے گزرنا اور مرزا غالب کو نہ ملنا قیاسؒ میں نہیں آتا۔

ناطق کے اشعار ان کے شاگرد منشی جواہر سنگھ نے یکجا کیے اور جو اشعار دستیاب ہوئے انہیں جوہر معظم کے تاریخی نام

سے مرتب کیا۔ منشی جوہر سنگھ کے بارے میں خمخانہ جاوید حصہ دوم لالہ سری رام دہلوی تھے۔ لکھتے ہیں کہ منشی بختاور سنگھ کا بیٹا تھے۔ ذی استعداد اور باکمال سخنور تھے۔ فارسی استعداد عالمانہ تھی اور شعر بھی خوب کہتے تھے۔ مرزا گل محمد ناطق سے تلمذ تھے۔ جوہر معظم کے ساتھ ۱۲۶۹ھ درج ہے جو درست نہیں۔ بعد میں عدد نکالے تو معلوم ہوا تو ۱۲۶۴ء ہی صحیح ہے۔ اس کی تصدیق مولانا غلام رسول مہر سے کرائی۔ انہوں نے لکھا کہ جوہر معظم پر ۱۲۵۹ھ غالباً آغاز طباعت کا اظہار کر رہے ہیں ورنہ جوہر معظم سے ۱۲۶۴ھ ہی نکلتا ہے۔ یعنی غالب کی تاریخ وفات اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہندسہ ۹ غلط لکھا گیا ہو۔ حقیقتاً ۱۲۶۴ھ کو بہر حال آپ کے شمار میں کوئی سقم نہیں ماشاء اللہ۔ جوہر معظم میں اشعار کی تعداد ساڑھے گیارہ سو کے لگ بھگ ہے۔ اسے نولکشور والوں نے ۱۲۷۷ھ میں لکھنؤ سے طبع کرایا۔ قطعہ تاریخ از مولوی رفعت علی رفعت ملاحظہ فرمائے۔

چو کلیات ناطق اوستادی
کہ شد کنز الجواہر درد ہن ہا
بطبع آمد ز طبع رفعتم جست
بتاریخش گلستان سخن ھا

۱۲۷۷ھ

جوہر معظم دوسری مرتبہ رقم الحروف کے مقدمے کے ساتھ بلوچی اکیڈمی کے زیر اہتمام ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ جوہر معظم قصیدوں، غزلوں، رباعیوں اور نثری رقعوں پر مبنی ہے۔

جوہر معظم کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے۔

ز شاخ خش خامہ گل فشانم
مگر در حمد بارے تر زبانم
ولی دشوار حمد ذوالجلال است
زبان خامہ شنجرف لال است
بیا تا نغمہ دیگر سرایم
بسان نغمہ زیں پردہ برایم
سخن سحری چہ سحری با کمال است
حلال است و حلال است و حلال است
بر ایں رہ جو ہر خود آزمایم
ز عالی جو ہران جو ہر نمایم

قلم کی خشک شاخ سے پھول جھاڑتا ہوں کہ شاید حمد باری تعالیٰ میں تر زبان ہو سکوں۔

لیکن بار تعالیٰ کی حمد مشکل ہے اور شکر نی قلم کی زبان گنگ ہے۔

آؤ تا کہ ایک اچھوتا نغمہ گاؤں اور خود ہی نغمہ کی مانند پردہ ساز سے ابھروں۔

شاعری جادو ہے لیکن با کمال جادو ہے جو سحر حلال ہے۔

اس راستے پر اپنا جوہر آزماتا ہوں اور عالی جوہروں پر اپنا جوہر ظاہر کرتا ہوں۔

ناطق کی شیادہ تر قصیدے خطابیہ تصوراتی اور جذبات انگیز ہیں اور انہوں نے تشبیہات اور استعارات کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔

نواب امین الدولہ بہادر کے بارے میں کہتے ہیں

کیست غیر از امین دولت و دین آن وزیر یکہ شہ نشان باشد

آنکہ در بارگاہ رفعت او آسمان خشت آستان باشد

امین دولت و دیں سے کون ناواقف ہے؟

وہ وزیر جو شاہانہ صفات کا مالک ہے

جس کی ارفع بارگاہ کے لئے

آسمان بھی آستانے کی اینٹ بن گیا ہے!

قطب الدولہ کی تعریف میں کہتے ہیں

تعالیٰ اللہ قطب الدولہ وقدر معلا یش جبین ہا سجدہ ریز آستان آسمان سایش

دلی دارد تجلی زار انوارش چہ میپرسی فروغ صد ید بیضا تماشا کن بسیمائش

معرف در حضور دانشت بس باد ناطق را ضمیر نکتہ پیرایش زبان بذلہ پالاش

سبحان اللہ! قطب الدولہ کو کیا قدر معلیٰ نصیب ہوئی ہے

کہ جبیں ہائے نیاز اس کے سامنے سجدہ ریز اور آسمان بوس ہیں!

اس کا دل تجلی گاہ ہے، اس کے انوار کا کیا پوچھتا ہے؟

اس کی پیشانی میں صد ید بیضا کا فروغ دیکھ!

ناطق کے لئے بہ غرض تعارف و حضوری

ضمیر نکتہ پیرا اور زبان بذلہ سنج ہی کافی ہیں!

ایک رباعی میں اپنی حالت کا نقشہ کھینچ کر رمال بننے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

ناطق چو بلا بد بہر بد فال شدی
دوراز وطن و عیال و اطفال شدی
شاعر شدن ا بہر فلاکت کم بود
کای خانہ خراب بازرما شدی

ناطق! تو بلا کی مانند دنیا میں بدشگون ہوا
اپنے وطن اور اہل وعیال سے دور ہوا
کیا فلاکت کے لئے شاعری کچھ کم تھی
جو تو اے خانہ خراب! رمال بھی ہوا؟

بے ساختگی، سادگی، رس اور لوچ، جذبے کی شدت اور احساس پختگی ناطق مکرانی کے کلام کا لازمہ ہیں۔ ان کے یہاں فکر وخیال بلندی عروج پر ہوتی ہے۔

سرایت کردہ امشب نکہت زلفش چنان در بزم
کہ بوئے مشک از خاکستر پروانہ می آید

اسکی زلف نے آج رات بزم کو اس طرح مہکا دیا ہے کہ پروانے کی راکھ سے بھی مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔

صد شمع برفروختم ودل ز تیرگی باشد نیازمند فروغ شرر ہنوز

میں نے سینکڑوں شمعیں جلائیں مگر دل کی تیرگی کا یہ عالم ہے کہ وہ اب بھی شرر کی روشنی کے لئے ترس رہا ہے۔

ناطق ایسے شاعر نہیں جنہیں واجبی سمجھ کر نظر انداز کر جائے۔ ان کا یہ معیار خطوط میں بھی قائم رہتا ہے۔ بلاشبہ معاصرین کی نظروں میں ان کا شمار استاتذہ کی صف میں ہوتا ہے۔ یہی نمایاں مقام ان کے بقائے دوام کے لئے کافی ہے۔

ناطق شگفتہ خاطری من و این چمن!
از نوک خامنہ ات نہ زمنقار بلبل است

آخری ایام میں انہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں۔

صبا از جانب ناطق اسلامی خاک مکران را
کہ من چون غنچہ دل در گلشن ہندوستان بستم

اے بادصبا! ناطق کی طرف سے خاک مکران کو سلام کہ میں نے اپنا مایہ دل سپرد ہندوستان کر دیا۔

اے عزیزان وطن دست بشو ئیداز من

کہ کشتہ ہند م دسبزان گلابی پوشش

اے یاران وطن! مجھ سے فیض حاصل کرلو۔

کہ میں ہند کے نگاران گلابی پوش کا فریفتہ ہوں۔

ناطق نے ۱۸۸۴ء میں وفات پائی۔ ناطق مکران گل محمد خان سے یہی تاریخ نکلتی ہے۔

☆☆☆

مآخذ

مسودات تکملہ مقالات اشعرا از ابراہیم خلیل اٹھٹھوی

شمع انجمن از سید محمد صادق

بلوچ قوم کی تاریخ ترجمہ: پروفیسر انور رومان

کلیات نثر غالب: طبع سوم: لکھنو ۱۸۸۴ء

خمخانہ جاوید حصہ دوم لالہ سری رام

گلستان مسرت لاہور ۱۹۱۲ء

جوہر معظم

☆☆☆